لغاتِ واعرابِ قرآن (۴۲)
پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۸)

آیات ۴۰ — ۴۱

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغہ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغہ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغہ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۸ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ
بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ
اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ
كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ
وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ ۴۱

© rasailojaraid.com

۲ : ۲۸ : ۱ اللغۃ

۲ : ۲۸ : ۱ (۱) [یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ] جسے عام رسم املائی میں "یا بنی اسرائیل" لکھا جاتا ہے ۔ یہ تین کلمات "یا" ، "بنی" اور "اسرائیل" کا مرکب ہے ۔ اس میں "یا" تو نداء کا ہے جس کا عام اردو ترجمہ "اے" ہے ۔ عربی حروفِ نداء اور ان کے استعمال پر البقرہ : ۲۱ یعنی ۲ : ۱۶ : ۱ (۱) میں مفصل بات ہوئی تھی ۔

● "بَنِیْ" دراصل "بَنِیْنَ" تھا مگر آگے مضاف ہونے کے باعث آخری نون (اعرابی) گر کر "بَنِیْ" رہ گیا ہے اور یہ "بَنِیْنَ" بھی دراصل "بَنُوْنَ" کی حالتِ نصب ہے (جس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی) اور "بَنُوْنَ" لفظ "اِبْنٌ" کی جمع مذکر سالم ہے [جو صحیح معنوں میں تو جمع سالم نہیں ورنہ "اِبْنُوْنَ" ہوتی ۔ تاہم آخر کی اعرابی علامت "ـُـوْن" یا "ـِـیْنَ" کی وجہ سے یہ بھی جمع سالم ہی شمار ہوتی ہے] ۔

● لفظ "اِبْنٌ" کا مادہ "ب ن ی" ہے ۔ اگرچہ بعض نے اس کا مادہ "ب ن و" قرار دیا ہے[1] اس کی اصلی شکل "بَنَوٌ" یا "بَنَیٌ" بروزن "فَعَلٌ" تھی پھر آخری "یاء" یا "واو" کو ثقیل سمجھ کر گرا دیا گیا ۔ اور اس کے عوض شروع میں ھمزۃ الوصل لگا دیا گیا (جو بصورت وصل تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے) ۔ اسی قسم کا عمل لفظ "اسمٌ" میں بھی ہوا ہے ۔ دیکھئے سورۃ الفاتحہ میں بحث بسم اللہ [۱ : ۱ : ۱ (۱)] اور اس (ابنٌ) کی جمع سالم "بَنُوْنَ"

---

[1] اور ہر ایک فریق کے کچھ دلائل ہیں تفصیل چاہیں تو دیکھئے التبیان (للعکبری) ج ۱ ص ۵۷ اعراب القرآن (للنحاس) ج ۱ ص ۲۱۷ معجم الاعلال والابدال (للخراط) ص ۵۳ ۔ نیز البستان، اقرب الموارد اور مدالقاموس (LANE) تحت مادہ "ب ن ی" ۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ دراصل لفظ " بَنَوٌ " (یا بَنَیٌ) سے جمع سالم " بَنَوُوْنَ " (یا بَنَیُوْنَ) ہے جس میں خلاف قیاس "و" یا "ی" کا ضمہ (سے پہلے) ماقبل (متحرک) کو دے کر اس ("واو" یا "یاء") کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل " بَنْوٌ " یا " بَنْیٌ " بروزن " فَعْلٌ " ہو تو پھر اس سے جمع سالم " بنیُون " یا " بَنْوُون " قاعدہ قیاس کے مطابق " بَنُون " ہی بن جاتی ہے۔

● اس لفظ (ابن) کی جمع مکسر " ابناءٌ " بروزن " اَفْعَالٌ " ہے۔ (جس کی اصلی شکل " ابناوٌ یا ابنایٌ " تھی پھر الف ممدودہ کے بعد آنے والی "و" یا "ی" کو "ء" میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے)۔ بعض اہل علم اس جمع مکسر (ابناء) کو جمع مکسر کے اوزان اور ان کے بعض قواعد کی بنا پر اس لفظ کا مادہ " ب ن و " ہونے کی (اور اصل لفظ کے " بَنَوٌ " بروزن " فَعَلٌ " ہونے کی دلیل بتاتے ہیں۔[1]

● اس مادہ (ب ن ی) سے فعل مجرد زیادہ تر " بنَیَ ..... یَبْنِیْ بناءً و بُنْیَانًا " (باب ضرب سے) آتا ہے جس کے بنیادی معنی ہیں: "...... کو تعمیر کرنا، (عمارت وغیرہ) بنانا" یا (اس کی) بنیاد رکھنا" اور ان ہی معنی کے لیے فعل مجرد " بَنَا یبنُو بِنَاءً " (واوی اللام اور باب نصر سے) بہت کم بلکہ شاذ ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ایک (مزید) وجہ یا دلیل ہے اصل مادہ کے یائی اللام (ب ن ی) ہونے کی۔ اس سلسلے میں بعض کتب لغت میں اس مادہ سے فعل مجرد کے (مندرجہ بالا) معنی کی بنا پر لفظ " ابن " کے اس سے ماخوذ ہونے کی مناسبت یہ بیان کی گئی ہے کہ گویا " بیٹا " اپنے باپ کی تعمیر کردہ) ایک عمارت ہے جس کا " بانی " (بصیغہ اسم الفاعل) یا " بَنَّاءٌ " (بروزن " فَعَّالٌ " بمعنی " راج ") وہ (باپ) ہے[2] قرآن کریم میں اس

---

[1] بعض کتب لغت میں ...... البیان وغیرہ [2] مثلاً المفردات (للراغب) اور البستان میں دیکھئے۔

© rasailojaraid.com

فعل مجرد (بَنَى يَبْنِى) کے مختلف صیغے گیارہ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ اور اس فعل کے مصادر اور بعض مشتق اسماء بھی گیارہ ہی جگہ آئے ہیں۔ البتہ اس مادہ سے ماخوذ کلمات بکثرت آئے ہیں ——— اور خود یہ لفظ (ابن) بصیغۂ واحد (مفرد یا مرکب صورت میں) ۴۱ جگہ، اس کی جمع سالم مختلف اعرابی حالتوں میں (مفرد یا مرکب) ۴۷ جگہ اور اس کی جمع مکسر "ابناء" مختلف صورتوں میں ۲۲ جگہ وارد ہوئی ہے۔

● زیر مطالعہ مرکب ندائی (یا بنی اسرائیل) کا تیسرا کلمہ "اسرائیل" (جس کے رسم عثمانی پر بعد میں بات ہوگی) دراصل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل صورت غالباً "یسرائیل" ہے اور جس کے معنی غالباً "اللہ کا بندہ" ہیں۔ یہ لفظ حضرت یعقوب (بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام) کے لقب کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عجمی اور علم ہونے کے باعث یہ لفظ غیر منصرف ہے۔ عرب قبائل اس لفظ کو مختلف صورتوں میں بولتے تھے مثلاً "اسرائیل، إسرایِیل، إسرال، اسرائِل اور اسرائین" وغیرہ۔ ان میں سے فصیح ترین قرآنی صورتِ لغات ہے۔ یہ لفظ (اسرائیل) قرآن کریم میں ۴۳ جگہ آیا ہے۔ جن میں سے پانچ مقامات پر تو اسی ترکیب ندائی (یا بنی اسرائیل) کی صورت میں آیا ہے۔

● اس طرح اس مرکب (یا بنی اسرائیل) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اے اسرائیل کے بیٹو" اور اسرائیل سے مراد حضرت یعقوبؑ ہونے کے باعث بعض نے اس ترکیب کا ترجمہ "اے یعقوب کے بیٹو"، "اے یعقوب کی اولاد" اور "اے آلِ یعقوب" کیا ہے۔ جب کہ بعض مترجمین "اے اولادِ اسرائیل" اور بعض نے "اے بنی اسرائیل" ہی رہنے دیا ہے ——— خیال رہے کہ "بنی اسرائیل" یا "اسرائیلی" سے مراد عموماً "یہودی" مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں کیونکہ ہندوؤں کی طرح بنیادی طور پر یہ بھی ایک نسلی مذہب ہے جو ایک خاص

© rasailojaraid.com

نسل کے اندر محدود ہے۔

۲ : ۲۸ : ۱ (۲) [**اُذْكُرُوْا**] کا مادہ "ذ ک ر" اور وزن "اُفْعُلُوْا" ہے۔ یہ لفظ دراصل "اُذْکُرُوْا" ہے مگر سابقہ لفظ (اسرائیل) کے ساتھ ملا کر پڑھتے وقت ابتدائی ہمزۃ الوصل تلفظ سے گر جاتا ہے۔ اس مادہ (ذکر) سے فعل مجرد "ذکَر ..... یذکُرُ ذِکْرًا" (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی دو ہیں (۱) "..... کو ذہن میں رکھنا"، ..... کو یاد رکھنا"، ..... کو یاد کرنا"، ..... کا خیال رکھنا" اور (۲) "..... کی بات کرنا"، ..... کا ذکر کرنا"۔ اور ان دو معنوں کی وجہ سے ہی "ذِکر" کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں "ذکرِ قلبی" (دل میں یاد کرنا یا یاد رکھنا) اور "ذکرِ لسانی" (زبان سے کسی کا ذکر کرنا یا اس کا ذکر زبان پر لانا) ـــــ اور یہ دونوں قسم کا ذکر یا تو (۱) "نسیان" (بھول جانا) کے مقابلے پر ہوتا ہے یعنی "کسی بھولی ہوئی بات کا یاد آجانا۔ اور یا (۲) کسی کی یاد کو مسلسل ذہن میں یا زبان پر محفوظ کرنا یعنی یاد رکھنا کے لئے۔ اردو میں عموماً لفظ "ذکر" زیادہ تر صرف "لسانی ذکر" کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے اردو میں "ذکر کرنا" فعل بنایا گیا ہے "ذکر رکھنا" نہیں کہتے۔

● قرآن کریم میں یہ فعل (ذکَر یذکُرُ) مختلف مقامات پر مندرجہ بالا تمام معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سیاق و سباق عبارت عموماً خود ہی معنی کے تعین میں مدد دیتا ہے۔ زیرِ مطالعہ کلمہ "اذکروا" اس مادہ کے فعل مجرد سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ تقریباً سب ہی مترجمین نے "یاد کرو" سے کیا ہے جس میں غور کرنے اور خیال رکھنے کا مفہوم موجود ہے۔

۲ : ۲۸ : ۱ (۳) [**نِعْمَتِيَ**] یہ نِعْمَة + ی (ضمیر مجرور بمعنی "میری") کا مرکب ہے یعنی یہ "نِعْمَتِيْ" ہے جس میں آخری یائے ساکنہ (یْ) کو آگے ملانے کے لئے فتحہ (ـَ) دی گئی ہے۔ لفظ "نعمة" کا مادہ "ن ع م" اور وزن "فِعْلَةٌ" ہے۔ (یائے متکلم کی طرف مضاف ہونے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی وجہ سے " نعمۃ " کی آخری " تاء " کو کسرہ (ـِ) دیا گیا ہے) اس مادہ (نعم) سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ : ۷ [۱:۶:۱(۲)] میں بات ہو چکی ہے ۔

● " فِعْلَۃٌ " کا وزن عموماً " کسی (فعل کے معنی والی) حالت " بیان ہونا کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اس لحاظ سے " نعمۃ " کے معنی " خوشحالی " دیا مالا مال ہونے یا تازہ و سرسبز ہونے کی حالت) کے ہیں جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے ۔ اردو میں اگرچہ اس کا ترجمہ " فضل ، کرم ، عطاء ، فیض ، احسان ، نوازش یا انعام " سے بھی کیا جا سکتا ہے ۔ تاہم خود لفظ " نعمۃ " (نعمت کی املاء کے ساتھ) اردو میں اپنے جملہ عربی معانی کے لئے مستعمل ہے ۔

● یہ لفظ جب " اللہ " کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی " احسان ، انعام یا فضل و کرم " ہی ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مترجمین نے یہاں اس کا ترجمہ " احسان " سے ہی کیا ہے ۔ اگرچہ بعض نے " نعمت " اور " انعام " بھی استعمال کیا ہے بعض نے محاورہ اور مفہوم کی بناء پر (کہ نعمت صرف ایک نہیں تھی) صیغۂ جمع کی صورت میں یعنی " احسانات " یا " احسانوں " سے ترجمہ کیا ہے ۔ لفظ " نِعمۃ " مفرد یا مرکب صورت میں قرآن کریم کے اندر کل ۴۷ دفعہ آیا ہے ۔ اور سوائے دو مقامات کے (باقی) ہر جگہ اسم جلالت (اللہ) کی طرف یا اس کے لئے کسی ضمیر کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوا ہے ۔

[الَّتِیْ] اسم موصول برائے واحد مؤنث ہے جس کا اردو ترجمہ " وہ جو کہ " یا " اس کو جو کہ " ہوگا ۔ اسماء موصولہ کے مختلف صیغوں اور معنی پر الفاتحہ : ۷ [۱:۱:۶:۱(۱)] میں بات ہو چکی ہے ۔ ضرورت ہو تو دوبارہ دیکھ لیجئے ۔

۲:۲۸:۱(۴) [اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ] جو " اَنعمتُ + علی (پر) + کم (تم) کا مرکب ہے ۔ " اَنْعَمْتُ " مذکورہ بالا مادہ (ن ع م) سے باب افعال کا فعل ماضی صیغہ واحد متکلم ہے ۔ اس باب سے فعل (اَنْعَم

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

مُنَعِّمہم انعامًا = انعام دینا) کے معنی اور اس کے ساتھ " بِ " اور " علی "
کے صلہ کے استعمال پر بھی الفاتحہ : ۷ [۱:۱:۶:۱ (۲)] میں بات ہوئی تھی۔
اس جملہ (انعمت علیکم) میں صرف مُنْعَمٌ علیہ کا ذکر ہے مُنْعَمٌ بہ
(نعمۃ) کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ یعنی یہاں " انعمت علیکم " میں " نعمۃ "
کے لئے ایک ضمیر محذوف ہے گویا تقدیر عبارت ہے " انعمت بہا علیکم "
(میری وہ نعمت جو میں نے تم پر کی / تم کو دی)۔ " نعمۃ " کا ترجمہ " احسان " یا
" انعام " کرنے کی وجہ سے اکثر مترجمین نے " انعمت علیکم " کا ترجمہ
" تم پر کیا " ہی کیا ہے۔ بعض نے " (نعمت جو) میں نے تم کو عطا کی " سے ترجمہ
کیا ہے۔ اسی طرح " انعامات " اور " احسانوں " کے ساتھ فعل کا ترجمہ بصورت
جمع یعنی " کئے " سے کرنا پڑا۔ یہ فرق صرف اردو میں فعل کے استعمال کے
فرق کی وجہ سے ہے۔ مفہوم اور معنی تو یکساں ہے۔

۲:۲۸:۱ (۵) [وَاَوْفُوْا] کی ابتدائی " وَ " تو عاطفہ بمعنی " اور " ہے اور
کلمہ " اَوْفُوْا " کا مادہ " و ف ی " اور وزنِ اصلی " اَفْعِلُوْا " ہے۔
اس کی اصلی شکل " اَوْفِیُوْا " تھی۔ جس کی " یاء " پر ضمہ (ـُـ) ماقبل کے مکسور
ہونے کی بناء پر عربوں کی زبان پر ثقیل تھا۔ اس لئے اس " یاء " کو ساقط کر دیتے
ہیں۔ اور اس گرنے والی " یاء " سے پہلے والے حرف (جو مادہ کا عین کلمہ
ہوتا ہے) پر ضمہ (ـُـ) یا فتحہ (ـَـ) ہو تو وہ برقرار رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ
کسرہ (ـِـ) ہو تو اسے ضمہ (ـُـ) میں بدل دیتے ہیں۔ اسی قاعدہ کے تحت
یہاں " اَوْفِیُوْا " سے " اَوْفُوْا " بنا ہے۔ یہ قاعدہ ناقص واوی اور
یائی کے فعل ماضی جمع مذکر غائب، فعل مضارع کا جمع مذکر غائب یا حاضر اور فعل
امر جمع مذکر حاضر کے صیغوں میں اطلاق پذیر ہوتا ہے۔

● اس مادہ (و ف ی) سے فعل مجرد " وَفَی یَفِیْ (دراصل وَفَیَ یَوْفِیُ)
وَفَاءً (باب ضرب سے) آتا ہے۔ یہ فعل بطور لازم بھی استعمال ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اور اس کے بنیادی معنی "پورا ہونا" ہیں۔ پھر اس سے یہ "زیادہ ہونا، دراز ہونا" کے معنی دیتا ہے۔ اور اسی سے اسم الفاعل "وافی" اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "یہ کافی وافی ہے"۔ ____ اور یہی فعل بطور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے یعنی "پورا کرنا، پورا دینا" کے معنی بھی دیتا ہے ____ اور اس صورت میں اس کا مفعول بنفسہ بھی آتا ہے مثلاً کہتے ہیں "وَفٰی نَذْرَہٗ" (اس نے اپنی نذر پوری کی) ____ اور اگر اس کا مفعول "وَعْدٌ" (وعدہ) یا "عَھْدٌ" ہو تو پھر اس کے ساتھ باء (بِ) کا صلہ ضرور آتا ہے یعنی کہیں گے "وَفٰی بِوَعْدِہٖ / بِعَھْدِہٖ" (اس نے اپنا وعدہ / عہد پورا کیا)۔ قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کا کوئی صیغہ تو کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ فعل مجرد سے بننے والا افعل التفضیل کا ایک صیغہ "اَوْفٰی" (بمعنی پورا / تمام) صرف ایک جگہ (النجم: ۴۱) وارد ہوا ہے۔ مزید فیہ کے ابواب افعال، تفعیل، تفعل اور استفعال سے (اس مادہ سے) مختلف افعال اور اسماء مشتقہ ۶۵ جگہ آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ (اَوْفُوْا) اس مادہ (وفی) سے باب اِفعال کا فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس باب سے فعل "اَوْفٰی یُوْفِی اِیْفَاءً" (دراصل اَوْفَیَ یُوْفِیُ اِوْفَایًا) ہمیشہ بطور فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے بنیادی معنی (بھی) "پورا دینا یا ادا کرنا" ہیں۔ بعض دفعہ اس کے ساتھ مفعول بنفسہ آتا ہے مثلاً "اَوْفَی الْکَیْلَ" (اس نے پورا ناپ تول یا پیمانہ دیا)۔ فعل مجرد کی طرح "نذر پوری کرنا" کے لئے یہ فعل بھی صلہ کے بغیر اور (باء کے) صلہ کے ساتھ، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً کہیں گے "اَوْفٰی نَذْرَہٗ یا بِنَذْرِہٖ" (اس نے اپنی نذر پوری طرح ادا کی) ____ اور اگر اس فعل کا مفعول "عَھْدٌ یا وَعْدٌ" ہو تو مجرد کی طرح) یہ فعل بھی "باء (بِ)"

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

کے صلہ کے ساتھ ہی آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے "اَوْفیٰ بِوَعْدِہٖ" یا "بِعَہْدِہٖ" (اس نے اپنا وعدہ یا عہد پورا کر دیا) بعض دفعہ اس فعل کے ساتھ دوسرا مفعول بھی آتا ہے مثلاً "اَوْفیٰ فلاناً حقَّہٗ" (اس نے فلاں کا حق پورا ادا کیا)۔ تاہم یہ دو مفعول والا استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا۔

● قرآن کریم میں اس فعل (اُوفی یُوفی) کے مختلف صیغے ۱۹ جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے دس (۱۰) جگہ اس کا مفعول "عَہْدٌ" یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ (مثلاً "عُقُود" وغیرہ) آیا ہے اور ان تمام مواقع پر یہ فعل "باء" کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ سات جگہ اس کا مفعول لفظ "کَیْلٌ" یا اس کا کوئی ہم معنی لفظ (مثلاً "میزان") آیا ہے اور ان تمام مقامات پر یہ فعل مفعول بنفسہٖ کے ساتھ آیا ہے۔ دو جگہ اس کا مفعول لفظ "نذر" (یا بصورتِ جمع "نذور") آیا ہے اور یہ ایک جگہ (الدھر: ۷) "باء" کے صلہ کے ساتھ اور ایک جگہ (الحج: ۲۹) بغیر صلہ کے استعمال ہوا ہے۔ لفظ "اَوْفُوا" کا ترجمہ قریباً تمام مترجمین نے "پورا کرو" سے ہی کیا ہے

[بِعَہْدِی] جو ب + عہد + ی کا مرکب ہے۔ اس میں "بِ" تو اس فعل (اَوْفُوا) کا صلہ ہے جو مفعول (عَہْدِی = میرا عہد) سے پہلے آیا ہے اور جس کے استعمال پر ابھی اوپر بات ہوئی ہے۔ بامحاورہ اردو میں اس "بِ" کا کوئی ترجمہ نہیں ہوگا یا زیادہ سے زیادہ "کو" لگا سکتے ہیں یعنی "میرا عہد پورا کرو یا میرے عہد کو پورا کرو" ـــــ لفظ عَہْد کے مادہ وزن، فعل مجرد وغیرہ پر البقرہ: ۲۷ [۲ : ۲۰ : ۱ (۲)] میں بات ہو چکی ہے۔ یہ لفظ (عَہْد) اردو میں قریباً اپنے تمام عربی معانی کے ساتھ مستعمل ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں اگرچہ بعض حضرات نے اس کی بجائے "اقرار" یا "وعدہ" بھی استعمال کیا ہے۔

یہاں "عَہْدِیْ" (میرا عہد) سے مراد وہ عہد ہے جو (تم نے)

© rasailojaraid

میرے ساتھ کر رکھا ہے۔ اسی لئے بعض مترجمین نے اس (عھدی) کا ترجمہ ہی " وہ اقرار / اس اقرار کو جو تم نے مجھ سے کیا تھا" کیا ہے۔ اکثر مترجمین نے " میرا عہد" ہی سے ترجمہ کیا ہے۔ البتہ بعض نے " میرا اقرار" اور بعض نے صرف " مجھ سے وعدہ" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔

۲:۲۸:۱ (۶) [اُوْفِ] کا مادہ (بھی) " و ف ی " اور وزن اصلی " اُفْعِلُ" ہے جس کی اصلی شکل " اُوْفِیْ " تھی۔ یہ جواب امر (اَوْفُوْا) ہونے کے باعث مجزوم ہو گیا اور فعل ناقص میں بحالت جزم لام کلمہ (آخری " و" یا " ی") ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اب یہ لفظ " اُوْفِ" رہ گیا ہے۔ اور یہ اس مادہ (وفی) سے کے باب افعال والے فعل (اَوْفٰی یُوْفِی) سے کے فعل مضارع (مجزوم) کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ اس فعل کے مصدری معنی ابھی اوپر بیان ہوئے ہیں جن کی بنا پر " اُوْفِ" کا ترجمہ " تو میں پورا کروں گا" ہونا چاہیئے تاہم بعض مترجمین نے " تو" کے بغیر صرف " پورا کروں گا" پر اکتفاء کیا ہے۔

[بِعَھْدِکُمْ] ابھی اوپر بیان ہونے والے مرکب " بِعَھْدِیْ" کی طرح یہ بھی بِ + عھد + کم کا مرکب ہے جس میں " بِ" تو فعل " اُوْفِ" کا صلہ ہے اور عھدکم" کا ترجمہ " تمہارا عہد" ہے اور اس سے مراد دراصل وہ عہد ہے جو (میں نے) تم سے کر رکھا ہے۔ اسی لئے بعض مترجمین نے " بعھدکم " کا ترجمہ " اس اقرار کو جو ہم نے تم سے کیا" کے ساتھ ہی کیا ہے۔ اگرچہ بیشتر حضرات نے صرف لفظی ترجمہ " تمہارا اقرار" " تمہارے عہد کو" اور " تم سے وعدہ" کی صورت میں کیا ہے۔

۲:۲۸:۱ (۷) [وَاِیَّایَ] یہ تین کلمات وَ (اور) + اِیَّا + ی (ضمیر متکلم) کا مجموعہ ہے " اِیَّا " کے مادہ، معنی اور استعمال کے بارے میں الفاتحہ: ۵ [۱:۴:۱ (۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ یہاں " اِیَّا" کے ساتھ ضمیر منصوب (واحد

© rasailojaraid

متکلم) "ی" آئی ہے اور اب یہ مکمل لفظ "اِیَّایَ" ضمیر منصوب منفصل ہے جو (قاعدے کے مطابق) ماقبل فعل۔ مفعول ہو کر آئی ہے۔ اس کا ترجمہ "صرف مجھ ہی کو" ہونا چاہیئے مگر اگلے فعل (فَارْهَبُوْنِ) کے مصدری اردو ترجمہ (ڈر رکھنا۔ ڈرنا) کی وجہ سے اردو محاورے کے مطابق "کو" کی بجائے "سے" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی "صرف مجھ سے، مجھی سے، صرف مجھی سے، مجھ سے ہی، مجھ ہی سے اور میرا ہی" کے الفاظ اختیار کئے گئے ہیں۔ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۲:۲۸:۱ (۸) [فَارْهَبُوْنِ] یہ دراصل ایک پورا جملہ ہے جو تین کلمات یعنی "فَ + اِرْهَبُوْا + نِ" کا مرکب ہے جس میں "فاء" تو عاطفہ بمعنی "پس" ہے۔ آخری "نِ" وہ نونِ وقایہ ہے جو واحد متکلم منصوب ضمیر "ی" پر لگتا ہے۔ یعنی یہ دراصل "نِی" تھا مگر آخری ساکن "ی" تلفظ سے گرا دی گئی ہے (اور اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ملیں گی)۔ اس ساقط "ی" کی علامت اب "نِ" کا کسرہ (ـِـ) ہے۔ اس طرح اس لفظ (نِ) کے معنی "مجھ کو" ہوں گے جسے اردو فعل سے ہم آہنگ کرنے کے لئے "مجھ سے" کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔

● لفظ "اِرْهَبُوْا" (جس کا ابتدائی همزة الوصل "فَ" کے ساتھ ملانے کی وجہ سے تلفظ سے گر جاتا ہے اگرچہ کتابت میں موجود رہتا ہے۔ اور اس (ارهبوا) کا واو الجمع کے بعد لکھا جانے والا "ا" ضمیر مفعول کے آ جانے کی وجہ سے کتابت سے حذف کر دیا جاتا ہے) کا مادہ "ر ه ب" اور وزن "اِفْعَلُوْا" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "رَهَبَ .... يرهب رَهبًا" (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: "...... سے ڈرنا، ...... کا ڈر رکھنا"۔ یعنی یہ فعل متعدی

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہے ۔ اس کا مفعول زیادہ تر تو بنفسہ آتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ لام (ل) کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی " رَهِبَه یا رَهِبَ لَهٗ (اس نے اس کا ڈر رکھا) دونوں طرح کہہ سکتے ہیں ۔ اور قرآن کریم میں بھی یہ دونوں طرح استعمال ہوا ہے ۔

● لفظ " اِرْهَبُوْا " اس فعل مجرد (رَهِبَ یرهب) سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ " تم ڈرو یا ڈرتے رہو یا ڈر رکھو " سے کیا گیا ہے ۔ قرآن کریم میں اس مادہ (رهب) سے فعل مجرد کے تین صیغوں کے علاوہ مزید فیہ کے بابِ افعال اور استفعال سے بھی فعل کا ایک ایک صیغہ آیا ہے ۔ اور اس مادہ سے مشتق اور ماخوذ اسماء (رَهَبٌ، رَهْبَة، رُهبان اور رُهبانیة) بھی متعدد جگہ وارد ہوئے ہیں ۔ جن پر حسبِ موقع بات ہوگی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

● زیر مطالعہ آیت کے اس حصہ (وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ) میں ضمیر مفعول (منصوب) کے دو دفعہ (پہلے منفصل اور پھر متصل) آنے کی وجہ سے اس میں حصر اور تاکید کے معنی پیدا ہو گئے ہیں جس کو اردو ترجمہ میں " اور مجھ سے ہی ڈرو / صرف میرا ہی ڈر رکھو / مجھی سے ڈرتے رہو " کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے ۔

[وَاٰمِنُوْا] کی " وَ " عاطفہ بمعنی " اور " ہے ــــ اور " اٰمِنُوا " کا مادہ " ا م ن " اور وزنِ اصلی " اَفْعِلُوْا " ہے ۔ اصلی شکل " أَأْمِنُوا " تھی جس میں " أَأْ " مہموز کے قاعدہ تخفیف کے تحت " آ " ہو گیا ہے (اس کے قرآنی ضبط پر آگے بات ہوگی) ۔ یہ فعل اس مادہ (امن) سے باب افعال کا فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے ۔ باب افعال کے اس فعل (آمَنَ یُؤمِنُ = ایمان لانا) کے معنی اور استعمال وغیرہ پر مفصل بات البقرہ:۳ [۲:۲:۱(۱)]

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

میں گزر چکی ہے۔ اس صیغہ فعل (آمِنوا) کا ترجمہ "تم ایمان لاؤ" ہے۔
بعض نے "مان لو" اور "مانو" سے بھی ترجمہ کیا ہے۔

[بِمَا اُنْزِلْتُ] یہ "بِ + ما + انزلتُ" کا مرکب ہے۔ جس میں باء (بِ) تو فعل "آمِنوا" کا صلہ ہے جس کا اردو ترجمہ اس فعل کے ساتھ "پر" سے کیا جاتا ہے ۔ "مَا" موصولہ (بمعنی "جو کچھ کہ") ہے۔ اس قسم کے "بِمَا" پر [۲:۳:۱(۱)] میں بھی بات ہو چکی ہے۔

"بِمَا" کا اردو ترجمہ یہاں "اس پر / کو جو کچھ کہ" ہوگا۔ "اَنْزَلْتُ" کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "اَفْعَلْتُ" ہے اور یہ اس مادہ سے باب افعال سے فعل ماضی کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ اس فعل (اَنْزَلَ یُنْزِلُ = اتارنا) کی وضاحت البقرہ: ۴ [۲:۳:۱(۲)] میں گزر چکی ہے۔ یہاں عبارت میں "بِمَا انزلتُ" کے بعد "مَا" کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ یعنی یہ دراصل "بما انزلتُہ" ہے جس کا لفظی ترجمہ "اس پر کہ میں نے اتارا اس کو / جس کو" ہوگا جس کی سلیس صورت "اس پر (ایمان لاؤ) جو میں نے اتارا" ہے۔

۲:۲۸:۱(۹) [مُصَدِّقًا] کا مادہ "ص د ق" اور وزن "مُفَعِّلٌ" ہے (مصدقًا کی نصب پر آگے "الاعراب" میں بات ہوگی)۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ: ۲۳ [______] میں بات ہو چکی ہے۔

● لفظ "مُصَدِّق" اس مادہ (صدق) سے باب تفعیل کا اسم الفاعل ہے اور اس باب سے فعل "صَدَّقَ ..... یُصَدِّقُ تصدیقًا" کے معنی ہوتے ہیں: "..... کی بات کو سچا کہنا، جاننا یا سمجھنا"۔ چونکہ اس کا مصدر "تصدیق" اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ اردو میں مستعمل ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ "تصدیق کرنا" بھی ہو سکتا ہے۔

● یہ فعل (صدَّق) مفعول بنفسہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور

© rasailojaraid
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.c

(ب) کے صلہ کے ساتھ بھی۔ یعنی صدَّقہ اور صدَّق بہ (اس نے اس کو سچا مانا) دونوں طرح کہہ سکتے ہیں [تصدیق تکذیب کی ضد ہے دونوں کے استعمال میں مقابلہ کے لئے فعل "کَذَّبَ" کی وضاحت دیکھئے [۲: ۲۷ : ۱ (۱۴)] میں۔ البتہ کبھی اس فعل (صَدَّق) کا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جو عبارت سے سمجھا جاتا ہے۔ اور یہی فعل "علی" کے صلہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور اس صورت میں اس (صدَّق علی......) کے معنی ہوتے ہیں: "......پر سچ پالینا"، "......پر ثابت کر دکھانا" یعنی "......کے حق میں یا......کے بارے میں (کسی بات کو) سچ پانا"۔

● قرآن کریم میں یہ فعل (صَدَّق) مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے استعمال ہوا ہے (۱) چار جگہ بغیر صلہ کے یعنی مفعول بنفسہ کے ساتھ (۲) چار ہی جگہ باء (بِ) کے صلہ کے ساتھ (۳) صرف ایک (القیامۃ : ۳۱) مفعول کے ذکر کے بغیر اور (۴) ایک جگہ (سبأ : ۲۰) "علی" کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ ان سب کی وضاحت اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آج کل جدید عربی میں "صدَّق علی" کسی کام کی منظوری دینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں "صدَّق علی الامر (اس نے معاملے کی منظوری دی یا اس کی توثیق کی)۔ ویسے اس میں بھی بنیادی معنی وہی "تصدیق کرنا" یا "سچا ماننا" والے ہی ہیں۔

اس طرح کلمہ "مصدِّق" کے معنی بنتے ہیں "سچ ماننے والا، تصدیق کرنے والا، سچائی بیان کرنے والا"۔ اور بعض مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ تاہم اردو محاورے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیشتر حضرات نے اس کا ترجمہ "تصدیق کرتا ہے، سچا کہتا ہے، سچ بتاتا ہے، سچا بتاتا ہے" سے کیا ہے یعنی اسم الفاعل کی بجائے فعل "یصدِّق" کی

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

طرح ترجمہ کیا ہے ۔ اس ترجمہ کی ایک دوسری وجہ سے آگے حصہ "الاعراب" میں " مصدقًا " کی نصب کے سلسلے میں بات ہو گی ۔

یہ لفظ (مصدِّق) قرآن کریم میں مختلف طریقوں سے ۱۶ جگہ آیا ہے ۔

[لِّمَا مَعَكُمْ] یہ لام (لِ = کے لئے یا کا) + ما (وہ جو کہ) + مَعَ (ساتھ) + کُم (تمہارا یا تمہارے) کا مرکب ہے ۔ ان تمام کلمات کے معنی اور استعمال پر پہلے کئی جگہ بات ہو چکی ہے ۔ مثلاً دیکھئے البقرہ: ۱۴ [۲: ۱۱: ۱ (۵)] اس طرح " لِمَا مَعَكم " کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "..... اس کا / کی جو تمہارے ساتھ / پاس ہے "۔ اور مراد ہے " خدا کی دی ہوئی کتاب اور شریعت میں سے جو کچھ (بچا کھچا) تمہارے پاس موجود ہے " (اس کی تصدیق کرتا ہے) ۔ اسی لئے بعض مترجمین نے یہاں اس (لما معکم) کا تفسیری ترجمہ ہی کیا ہے یعنی " اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے یا جو تمہاری کتاب کو سچا کہتی ہے " کی صورت میں ۔ اگرچہ بیشتر نے " جو تمہارے ساتھ / پاس ہے " کی صورت میں ترجمہ کیا ہے اور ایک بزرگ نے اس کا ترجمہ " تمہارے پاس والے کو " (سچ بتاتا ہے) سے بھی کیا ہے ۔ تمام تراجم کا مفہوم ایک ہی ہے ۔

[وَلَا تَكُونُوٓا] یہ " وَ " (اور) + لَا (نہیں، مت) + " تکونوا " کا مرکب ہے اس (تَكُونُوٓا) کا مادہ " ک و ن " اور وزن اصلی " تَفْعُلُوا " ہے ۔ اس کی شکل اصلی " تَكْوُنُوا " تھی جس میں اجوف کے قواعد کے مطابق " وُ " کا ضمہ (ـُـ) ماقبل ساکن حرف صحیح (یا عین کلمہ ۔ جو یہاں " ک " ہے) کو دے دیا جاتا ہے ۔ اور اب ماقبل مضموم ہو جانے کے باعث واو ساکنہ برقرار رہتی ہے ۔

● اس مادہ سے فعل مجرد (کان یکون = ہونا) کے معنی ، باب اور استعمالات پر البقرہ [۲: ۸: ۱ (۱۰)] میں بات ہو چکی ہے ۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

زیرِ مطالعہ کلمہ "لا تکونوا" اس فعل مجرد سے فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "تم نہ ہو"۔ جس کے لئے مختلف مترجمین نے "مت ہو، مت بنو، نہ بنو اور مت ہو جاؤ" کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔ مفہوم یکساں ہے۔

۲:۲۸:۱(۱۰) [اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ] اس ترکیب کے دو حصے ہیں۔ "اوّل" اور "کافر بہ" ہم پہلے ان دونوں حصوں پر الگ الگ بات کرتے ہیں۔ پھر اس ترکیب کے مجموعی ترجمہ پر بات ہو گی۔

● "اَوَّلَ" (جو یہاں منصوب ہے اور اس نصب کی وجہ آگے "الاعراب" میں بیان ہو گی) کے مادہ اور وزن کے بارے میں اصحاب اللغۃ کے مختلف اقوال ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس کا مادہ "أ و ل" اور وزن "اَفْعَلُ" ہے۔ اس طرح یہ دراصل "أَأْوَلُ" (افعل التفضیل) تھا جس میں خلافِ قیاس دوسرے ہمزہ (ساکنہ) کو واو میں بدل کر مدغم کر دیا گیا ہے۔ اب اس کا وزن "اَعَلُ" رہ گیا ہے۔ (از روئے قیاس اسے "آوَلُ" ہونا چاہئے تھا) یا پھر اس کا وزن ہی "فَعَّلُ" ہے جو بظاہر "افعلُ" کی طرح آتا ہے۔ البتہ اس سے مؤنث "اُوْلیٰ" ٹھیک اپنے اصلی وزن "فُعْلٰی" پر ہی آتا ہے۔ اس مادہ (أ و ل) سے فعل مجرد "آلَ یَئُوْلُ" دراصل أَوَلَ یأْوُلُ) اَوْلاً" (باب نصر سے) "لوٹ کر آنا یا ہو جانا" کے معنی دیتا ہے۔ اور "أَوِلَ یَأْوَلُ أَوْلاً (باب سمع سے) "آگے نکل جانا یا پہلے گزر جانا" کے معنی میں آتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی طرح کا فعل مجرد کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ باب تفعیل کا صرف مصدر (تأْوِیل) قرآن کریم میں ۱۷ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس کے معنی پر آلِ عمران: ۷ میں بات ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ المنجد اور مفرداتِ راغب میں یہ لفظ (اوّل)

© rasailojaraid

اسی مادہ کے تحت بیان ہوا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مادہ "وأل" اور وزن "اَفْعَلُ" ہے۔ گویا اس کی اصل شکل "اَوْأَلُ" تھی۔ پھر خلافِ قیاس دوسرے ھمزہ (عین کلمہ) کو "واو" میں بدل کر واو (فاء کلمہ) میں مدغم کر دیا گیا۔ یعنی "اَوْأَلُ = اَوْوَلُ = اَوَّلُ ـــ اور اب یہ وزن "اَفَّلُ" رہ گیا ہے۔ (از روئے قیاس اسے "اَوَالُ" ہونا چاہیئے تھا) اور اس سے مؤنث "اُوْلیٰ" بھی دراصل "وُؤْلیٰ" تھی۔ پھر ھمزہ اور واو کی جگہ (باہم) بدل کر تقلیب کے بعد "اُوْلیٰ" بنا (پنجابی کے "چاقو" اور "قاچو" کی طرح) ـــــــ اس مادہ (وأل) سے فعل مجرد "وَأَلَ یَئِلُ (دراصل یَوْئِلُ) وَأْلًا (باب ضرب سے) "نجات چاہنا، پناہ ڈھونڈنا" کے معنی دیتا ہے۔ اس مادہ سے بھی کوئی فعل (مجرد یا مزید فیہ) قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ البتہ اس فعل سے اسم ظرف کا ایک صیغہ (مَوْئِلٌ) صرف ایک جگہ (الکھف : ۵۹) آیا ہے۔ اکثر کتب لغت (مثلاً القاموس المحیط، البستان اور المعجم الوسیط) میں لفظ "اَوَّل" اسی مادہ "وأل" کے تحت بیان ہوا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس (اوّل) کا مادہ "ودل" اور وزن "اَفْعَلُ" ہی تھا جو اب "اَفَّلُ" یا "اَعَّلُ" رہ گیا ہے۔ یا یہ لفظ دراصل "وَوَّلُ" بروزن "فَعَّلُ" تھا مگر ابتدائی "واو" الف (ھمزہ) میں بدل دی گئی جیسے "وُقِّتَتْ" سے "اُقِّتَتْ" یا "وَحَدٌ" سے "اَحَدٌ" بنالیا جاتا ہے اس مادہ سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے صرف یہی ایک لفظ (اول) مشتق ہے۔ اس صورت میں مؤنث بھی دراصل "وُوْلیٰ" تھی۔ پھر مندرجہ بالا عمل کی طرح ابتدائی واو ھمزہ میں بدل دی گئی ہے۔ اس لفظ (اَوّل) کی جمع "اَوَائِل" کی اصل بھی اسی مادہ سے

© rasailojaraid.com

دراصل " آوَاوِلَ " تھی جس میں دوسری واو ھمزہ میں بدل جاتی ہے۔[1]

● بہرحال لفظ " اوّل " کی جو بھی اصل مانیں یہ لفظ اپنے وزن اور معنی کے لحاظ سے زیادہ تر افعل التفضیل ہی بنتا ہے ۔ یعنی اس کے معنی ہیں " سب سے پہلا "، جس کے لئے صرف " پہلا " کہہ دینا ہی کافی ہے ۔ افعل التفضیل صفت کا صیغہ ہے اور یہ لفظ (اول) جب صفت کے معنی میں استعمال ہو تو غیر منصرف ہی رہتا ہے تاہم یہ لفظ (اوّل) کبھی صفت کی بجائے کسی دوسرے اسم کے معنی (مثلاً حال) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت یہ مُعْرَب استعمال ہوتا ہے مثلاً " اَوَّلاً " میں ۔ تاہم قرآن میں اس کا یہ (معرب والا) استعمال کہیں نہیں ہوا[2]

© rasailojaraid.com

● " کافِرٍ بِه " جو زیرِ مطالعہ ترکیب " اول کافر بہ " کا دوسرا حصہ ہے ۔ اس میں لفظ " کافر " فعل کفَر یکفُر (انکار کرنا) سے اسم الفاعل ہے ۔ اس فعل کے باب معنی اور استعمال کے لیے دیکھئے البقرہ: ۶ [۲ : ۵ : ۱ (۱)]

" بہ " کی (ب) وہ ہے جو اس فعل (کفر) کے صلہ کے طور پر آتی ہے اور آخری (ہ) ضمیر مجرور بمعنی " اس " ہے ۔ اس طرح " کافر بہ " کا ترجمہ ہوا : " اس کا کافر "، " اس کا انکار کرنے والا "۔

● اور اس ترکیب [اَوَّلَ کافِرٍ بِه] میں (۱) لفظ " کافر " یا تو بمعنیٔ جمع استعمال ہوا ہے جو " اوّل " کا مضاف الیہ واقع ہوا ہے کیونکہ " اَفْعَلُ " عموماً جمع معرفہ کی طرف مضاف ہوتا ہے ۔ گویا یہاں " اول الکافرین "

---

[1] " اوّل " کی اصل کی تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے القاموس المحیط مادہ " ودل " ، البستان مادہ وأل، التبیان (للعکبری) ج ۱ ص ۵۷ - ۵۸ ، البیان (لابن الانباری) ج ۱ ص ۸۷ یا کوئی بھی بسوط ڈکشنری ۔

© rasailojaraid.com

[2] " اوّل " کے مختلف استعمالات کے لیے دیکھئے " الاعراب الکامل " (عبدالقادر) ص ۷۸-۷۹ ۔

(کافروں کا نمبر ایک یا پہلا کافر) مراد ہے۔ (۲) افعل التفضیل کا مضاف الیہ (یعنی کافرٍ) یہاں ایک محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی تقدیر (دراصل) عبارت "اوّلَ فریقٍ کافرٍ" ہے۔ اور (۳) یہ بھی قاعدہ ہے کہ اگر افعل التفضیل کا مضاف الیہ نکرہ ہو تو وہ ہمیشہ واحد ہی رہتا ہے مثلاً کہتے ہیں "انت افضلُ رجلٍ" (تو بہترین آدمی ہے)۔ اسی طرح "انتما افضلُ رجلٍ" اور "انتم افضلُ رجلٍ"۔ اور "احسنُ رجلٍ" کا مطلب "کسی آدمی کا بہترین پہلو یا حصہ یا نمونہ یا شخصیت" بھی ہوتا ہے اس طرح "اوّل کافرٍ" کا مطلب "کفر کا اوّلین نمونہ یا حصہ" بھی ہو سکتا ہے۔

● مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھتے ہوئے مترجمین نے اس ترکیب (اول کافرٍ بہ) کا ترجمہ "اس کے پہلے کافر، پہلے منکر، سب میں پہلے انکار کرنے والے، سب سے پہلے منکر" اور (اس کے ساتھ) "اولین کفر کرنے والے" کی صورت میں گویا سب نے یہاں "کافر" کو ترکیب کے تقاضے کی بنا پر جمع کے معنی میں لیا ہے۔

[وَلَا تَشْتَرُوْا] کا مادہ "ش ر ی" اور (پورے صیغے کا) وزنِ اصلی "ولا تفتعِلوا" ہے۔ یہ فعل دراصل "لا تشترِیوا" تھا۔ یعنی یہ اس مادہ سے بابِ افتعال کا فعل نہی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ پھر واو الجمع سے ماقبل یاء کو (جو لام کلمہ ہے) گرا کر اس سے ماقبل (عین کلمہ) کا کسرہ (ـِ) ضمہ (ـُ) میں بدل دیا جاتا ہے (یہ قاعدہ آپ اس سے پہلے کئی کلمات (مثلاً "خَلَوْا" ۲:۱۱:۱(۲)، "لَقُوْا" ۲:۱۱:۱(۱)، "اِشْتَرَوْا" ۲:۱۲:۱(۱) اور ابھی اوپر "اَوْفُوْا" ۲:۲۸:۱(۵)) میں دیکھ چکے ہیں یعنی ناقص کے واو الجمع والے صیغوں میں اس قسم کی تبدیلی کی بے شمار مثالیں آئندہ بھی ہمارے سامنے آئیں گی۔ اس کو ہم آئندہ "صرفِ ناقص والا واو الجمع والا قاعدہ" کہہ کر ہی بیان کیا کریں گے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

● اس مادہ (شری) سے فعل مجرد کے باب اور معنی کے علاوہ اس سے باب افتعال کے معنی پر بھی البقرہ : ۱۶ [۲ : ۱۲ : ۱ (۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ بعض کتب لغت (مثلاً " البستان ") میں فعل مجرد " شری یشری " اور باب افتعال سے فعل " اشتری یشتری " کو لغت اضداد میں شمار کیا گیا ہے یعنی دونوں " خریدنا " کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور " بیچنا " کے لئے بھی۔ اس طرح یہاں " وَلَا تَشْتَرُوا " کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے " اور مت خریدو "۔ اور اسی کے لئے بعض مترجمین نے " مت مول لو " اختیار کیا ہے۔ لیکن آگے " خریدی جانے والی " شے " ثمن قلیل " (تھوڑی قیمت) بیان ہوئی ہے اس لئے بعض نے اس کا ترجمہ " مت فروخت کرو " کیا ہے۔ اور قیمت کے ذکر کی مناسبت سے ہی بیشتر مترجمین نے اس (لا تشتروا) کا ترجمہ " نہ لو " اور " مت حاصل کرو " کی صورت میں کیا ہے۔

[بِاٰيَاتِيْ] یہ " بِ " (کے عوض) + آیات (احکام۔فرامین) + " ی " (ضمیر متکلم مجرور بمعنی " میری ") کا مرکب ہے۔ ان تمام کلمات پر پہلے بات ہو چکی ہے مثلاً باء (بِ) کے استعمالات پر استعاذہ کی بحث میں اور کلمہ " آیات " کے مادہ اور معنی وغیرہ کے بارے میں البقرہ: ۳۹ [۲ : ۲۷ : ۱ (۷)] میں وضاحت کی جا چکی ہے۔

● فعل " اشتری " کے بعد " بِ " کا صلہ اس چیز پر آتا ہے جو عوض میں (بطور قیمت) دی جارہی ہو اور جو چیز خریدی جائے (لے لی جائے) اس کا ذکر اس فعل کے ساتھ مفعول بنفسہ کے طور پر ہوتا ہے اس لئے یہاں (فعل لا تشتروا کے بعد) " بِآیاتی " کا مطلب " میری آیات کے بدلے میں " یعنی " میری آیات کو قیمت بنا کر " ہے اور یوں اس کا ترجمہ " میری آیات (احکام) کے عوض " کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

۲ : ۲۸ : ۱ (۱۱) [**ثَمَنًا**] کا مادہ " ث م ن " اور وزن " فَعَلٌ " ہے۔ (ثمنًا کی نصب پر آگے " الاعراب " میں بات ہو گی)۔ اس مادہ سے فعل مجرد باب نصر سے بھی آتا ہے اور باب ضرب سے بھی۔ " ثَمَن .... یَثمُن ثَمنًا (نصر) کے معنی ہیں : " ..... سے مال کا آٹھواں حصہ وصول کرنا " اور ثَمَن یَثمِن ثَمَنًا (ضرب) کے معنی ہیں " ..... کے ساتھ آٹھواں ہونا (یعنی جو پہلے سات تھے) اس طرح (مثلاً " ثَمَنْتُهُمْ " کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) میں نے ان سے ⅛ حصہ وصول کیا۔ اور (۲) میں ان (سات) کے ساتھ آٹھواں شامل ہو گیا۔ (اس لئے کہ فعل ماضی میں " باب " واضح نہیں [illegible] میں اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب بھی مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس مادہ سے ماخوذ اور مشتق بعض کلمات (مثلاً ثامن، ثمانیۃ، ثُمُنٌ اور ثَمَنٌ وغیرہ) مختلف صورتوں میں (مفرد مرکب معرفہ نکرہ) کل ۱۹ جگہ وارد ہوئے ہیں جن پر حسب موقع بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● لفظ " ثَمَنٌ " کے معنی کسی چیز کی قیمت (مول، دام) ہیں جو کوئی خریدار فروخت کنندہ کو ادا کرتا ہے۔ عموماً اس سے مراد نقدی یا سکے وغیرہ ہوتے ہیں۔ تاہم کبھی یہ لفظ مطلقاً (کسی چیز کے) بدلہ یا عوض میں لی (یا دی) جانیوالی چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ خرید و فروخت میں دراصل تو ہر ایک فریق ایک چیز " بیچ " اور دوسری " خرید " رہا ہوتا ہے۔ ابھی اوپر بیان ہوا ہے کہ فعل " اشتری " کے ساتھ " لی " جانے والی شے براہ راست بطور مفعول بنفسہ مذکور ہوتی ہے۔ اور جو شے (بطور قیمت) عوض میں " دی " جا رہی ہو اس پر باء (بِ) کا صلہ آتا ہے۔

● [illegible] " آیات " کی " قیمت " خریدنے (لینے۔ حاصل کرنے)

© rasailojaraid.com

کی بات ہو رہی ہے جس کے عوض (بدلے میں) "آیات" (احکام الٰہی) "دی" جا رہی ہوں یعنی کسی مالی منفعت کے عوض ان کو نظر انداز کرنا مراد ہے۔ اور چونکہ کسی چیز کی قیمت "خریدنا" کم از کم اردو محاورے کے لیے غیر مانوس ہے اس لیے اکثر مترجمین نے "ثمناً" (قیمت) کے ساتھ فعل "اشتری" کا (مصدری) ترجمہ "خریدنا" کی بجائے "لینا" سے کیا ہے۔ جیسا کہ بعض نے اردو محاورے کے مطابق اس کا ترجمہ "بیچنا" اور "فروخت کرنا" سے کر لیا ہے۔ [اسی لیے لا تشتروا کا ترجمہ "مت مول لو، نہ لو، مت لو، حاصل نہ کرو اور فروخت مت کرو" کی صورت میں کیا گیا ہے جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے

© rasailojaraid.com

۲:۲۸:۱:۱(۲) [قَلِیلًا] یہ "قلیل" کی نصبی صورت ہے (جس کی وجہ نصب پر آگے "الاعراب" میں بات ہوگی) اس کلمہ کا مادہ "ق ل ل" اور وزن "فَعِیلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "قَلَّ يَقِلُّ قِلَّةً" (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے معنی "کم ہونا، تھوڑا ہونا" ہیں (یعنی کثُر = زیادہ ہونا کی ضد) اور اس سے یہ "کمیاب ہونا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی یہ فعل لازم ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے ماضی کا صرف ایک صیغہ ایک جگہ (النساء: ۷) آیا ہے۔ مزید فیہ کے باب تفعیل اور افعال سے بھی صرف ایک ایک صیغہ (علی الترتیب الانفال: ۵ اور الاعراف: ۵۷ میں) آیا ہے۔

● یہ لفظ (قلیل) اس فعل مجرد (قَلَّ يَقِلُّ) سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "بہت تھوڑا، تھوڑا سا یا بہت کم" —— اور خود لفظ "قلیل" بھی اردو میں مستعمل ہے۔ کبھی انگریزی کے لفظ FEW کی طرح یہ لفظ "بہت کم" کی بجائے "نہ ہونے" یعنی مطلق نفی کے معنی دیتا ہے مثلاً "رجلٌ قلیل الخیر" کے معنی ہیں "جس میں بھلائی

© rasailojaraid.com

نہ ہونے کے برابر ہو" اور " قلیل من الناس یفعلون ذلك" کا مطلب ہے کہ " لوگوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا " ۔ قرآن کریم میں بعض جگہ " قلیل " کے یہی معنی (یعنی مطلقاً نفی والے) لینے کی گنجائش ہے ۔ ویسے قرآن کریم میں یہ لفظ (قلیل) بکثرت (ستر سے زیادہ جگہ آیا ہے) ان میں سے صرف بارہ جگہ یہ بصورت " قلیل " (مرفوع یا مجرور) اور باقی تمام مقامات پر منصوب (قلیلاً) استعمال ہوا ہے ۔

● یہ (قلیل) اسم صفت ہے ۔ تاہم قرآن کریم میں اکثر جگہ اس کا موصوف محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جو سیاق عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے ۔ قرآن کریم میں " قلیل " کی جمع سالم " قلیلون " ایک جگہ (الشعراء : ۵۵) اس کا صیغہ تانیث " قلیلۃ " بھی ایک جگہ (البقرہ : ۲۴۹) اور افعل التفضیل کا صیغہ " اقلّ " دو جگہ (الکھف : ۳۹ اور الجنّ : ۲۴) آیا ہے ۔ خود یہ زیر مطالعہ ترکیب " ثمنا قلیلاً " چھ (۶) جگہ وارد ہوئی ہے اور اس (ترکیب) کا اردو ترجمہ " تھوڑا مول ، حقیر معاوضہ ، تھوڑی سی قیمت ، اور تھوڑے دام " کی صورت میں کیا گیا ہے ۔

[وَاِیَّایَ] یہ ابھی اوپر (آیت نمبر ۴۰ کے آخر پر) [۲ : ۲۸ : ۱ (۷)] میں گزر چکا ہے یعنی " مجھ ہی سے ، صرف مجھی سے " ۔

[فَاتَّقُوْنِ] یہ بھی فَ + اِتَّقُوْا + نِ کا مرکب ہے ۔ جس میں ابتدائی " فاء " عاطفہ بمعنی " پس " ہے اور آخری " نِ " دراصل " نِیْ " یعنی نون وقایہ مع یاء متکلم (بمعنی مجھ سے) تھا جس میں " ی " گرادی گئی ہے مگر اس کی علامت نون کا کسرہ (ـِـ) ہے ۔ درمیانی فعل " اِتَّقُوْا " (جس کا ابتدائی ھمزۃ الوصل فاء سے ملنے کی بناء پر تلفظ سے اور واو الجمع کے بعد والا الف زائدہ آگے ضمیر مفعول (منصوب) آنے کی بناء پر کتابت سے ساقط ہو گیا ہے ۔ اس کا مادہ " و ق ی " اور وزن اصلی " اِفْتَعِلُوْا " ہے ۔ اصلی شکل

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"اِوْتَقِيُوْا" تھی۔ جس کی ابتدائی "واو" (مثال واوی کے باب افتعال کے قاعدہ کے تحت) "ت" میں بدل کر مدغم ہوگئی ہے اور "یاء" فعل "ناقص کے واو الجمع والے قاعدے" کے مطابق گرا کر عین کلمہ (ق) کو کسرہ کی بجائے ضمہ (ـُـ) دیا گیا ہے۔

● یہ لفظ "اِتَّقُوا" فعل "اِتَّقٰى يَتَّقِي" سے صیغہ امر مخاطب ہے۔ اس فعل (اتقى يتقي اتقاءً) کے معنی اور استعمال پر البقرہ: ۲ [۲:۱:۱ (۷)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ "اِتِّقاء" کے بنیادی معنی "بچنا" ہیں۔ تاہم اس "بچنے" کی وجہ کوئی "ڈر" ہی ہو سکتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ "ڈرنا" سے بھی کر لیا جاتا ہے۔ اسی لئے بیشتر مترجمین نے یہاں "فَاتَّقُوْنِ" کا ترجمہ "پس مجھ سے پورے طور پر ڈرو، ڈرتے رہو، ڈرو، ڈر رکھو، خوف رکھو" کی صورت میں کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے لفظی ترجمہ "مجھ سے بچتے رہو" ہی رہنے دیا ہے۔

● اور زیر مطالعہ آیت کے آخری حصہ (و ایای فاتقون) میں بھی [سابقہ آیت کے آخری حصہ "و ایای فارھبون" کی طرح] ضمیر منصوب کے دو دفعہ (پہلے منفصل پھر متصل) آجانے کی وجہ سے حصر اور تاکید کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ اسی لیے ترجمہ "مجھ ہی سے، میرا ہی، صرف مجھ سے" کے ساتھ کیا گیا ہے۔

جن حضرات کے لیے

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دورۂ ترجمہ قرآن

کے آڈیو کیسٹ کا مکمل سیٹ یکمشت خریدنا ممکن نہ ہو اور وہ اقساط کی صورت میں یہ سیٹ حاصل کرنا چاہیں وہ درج ذیل پتے پر خط لکھ کر تفصیلات طلب کریں

محمد عمر خان (قصر عبداللہ) ۸۴۸/۱۰۵ کہکشاں اسٹریٹ ۵ نیو گلگشت کالونی، ملتان

© rasailojaraid.com